https://doi.org/10.58352/tis.v47i2.883

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
الثقافة الإسلامية
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

نظریہ خیر و شر اور اسلام کا نقطہ نظر

THE CONCEPT OF GOOD AND EVIL AND VIEW POINT OF ISLAM

Muswar Sikandar Makol
Ph.D. Scholar
Department of Islamic Studies, University of Sindh

Dr. Khalida Siddique
Lecturer
Women University Multan

Dr.Hasin Bano
Chairperson
Department of Islamic Studies, Metropolitan University, Karachi

Abstract

The concept of ‘Good and evil’ has remained solvable notion since inception of human intellect. Every individual uses terms i.e. good and evil, deeds and misdeeds and virtue and vice etc. in daily life. He depicts his deeds and manners on the part of ethics and criticizes characters of others, charging them with spectrum of good and evil. We experience in day life, if two persons fight with each other. Each one tries to prove true himself and charging others to be wrong with help of arguments. The same trend is common among life of nations. When differences exceed the limit, different principles, rules and regulations are cited as an aid for distinguishing between truthfulness and falsehood, and convict either of good or evil. Usually it has been perceived that the philosophers disbanded fundamental beliefs. It is a reality because free thinking philosophers criticized religions in all facets. Sometimes they have laid strong basis for religious beliefs. Furthermore, they strengthened religious beliefs. Among all, the Muslim philosophers were adept in the fields philosophy and religion. They laid philosophy dependent on religion. The concept of ‘good and evil’ has always remained solvable notion. But in spite of the situation is that human thoughts could neither fixate nor solved it. Allah has allowed using intellect and meditation. In present era, evil is presented with fascination as if it looks true and very difficult to differentiate between good and evil, although to judge the difference between them, human being should know how with the cursory look into the reality of good and evil with clarity. This way we may get rid of evil. This concept is common in our daily life therefore the adoption of good, we can get rid of evil; this thought belongs to our everyday life so is important knowing about good and evil.

Keywords: *Good and Evil Literature, Religion, Philosophy, Islam.*

خیر و شر کے لغوی معنی:

خیر:

خیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی نیکی اور بھلائی کے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی نیکی اپنے کمال کو پہنچ جائے تو اسے لفظ خیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خیر کی جمع خیرات ہے۔ ہر وہ کام جو خلق کی خوشنودی اور مخلوق کی فلاح و بہود کے لیے کیا جائے خیر ہی کے زمرے میں آتا ہے۔ المفردات القرآن میں الخیر وہ ہے جو سب کو مرغوب ہو۔

مثلاً عقل، عدل و فضل اور تمام مفید اشیاء پر شر کی ضد ہے اور خیر دو قسم پر ہے۔[1]

۱۔ خیر مطلق جو ہر حال میں اور ہر ایک کے لئے پسندیدہ ہو۔

۲۔ دوسری قسم خیر و شر مفید کی ہے یعنی وہ چیز جو ایک کے حق میں خیر اور دوسرے کے لئے شر ہو۔

خیر سے ہی خیار کے معنی اختیار (Choice) کے ہیں۔ خیر اور اختیار کا مادہ ایک ہی ہے۔ ابن فارس کے حوالے سے اس کے بنیادی معنی میلان اور جھکاؤ کے ہیں۔ استخارہ کے معنی ہیں دو باتوں سے بہتر طلب کرنا۔ چونکہ دو چیزوں میں جسے اختیار کیا جاتا ہے وہ بہر حال دوسری سے بہتر ہوتی ہے یا اسے ایسا سمجھا جاتا ہے اس لیے خیر کا لفظ شرف و برتری فضیلت و کرم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اس کے برعکس شر، خیر کی ضد کے حوالے سے ہر وہ شے جو انسان کی طبیعت کے مطابق نہ ہو یا اس کی ضرورت کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔ ابن فارس نے کہا کہ:

شر کے بنیادی معنی: منتشر ہو جانے، ادھر ادھر اڑ جانے اور بکھر جانے کے ہیں۔[2]

اس اعتبار سے شر کے معنی ہوں گے انسان کی صلاحیتوں اور توانائیوں کا تعمیری نتیجہ مرتب نہ ہونا۔ اس کے برعکس خیر کے معنی ہوں گے انسانی توانائیوں کا تعمیری نتائج پیدا کرنا۔ پانی ادھر ادھر بکھر جائے تو شر کا موجب ہو جاتا ہے۔ ہوا گرم روی کے ساتھ ایک سمت چلے تو موجب خیر ہے لیکن جب جھکڑ اور آندھی بن جائے تو تباہی کا موجب۔ توانائیوں کا بکھر جانا۔ قوتوں کا بدلگام ہو کر منتشر ہو جانا شر ہے۔ یہی چیز خود انسانی ذات کے متعلق بھی ہے۔ اگر اس کی قوتیں منتشر ہوں تو اس کی نشو نما نہیں ہوتی۔ اگر وہ مرتکز ہو جائیں تو اس میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

خیر و شر کا اصطلاحی مفہوم:

عربی زبان میں نیکی اور بھلائی کے کاموں کے لیے عرف اور معروف، حسنہ، بر اور خیر کے الفاظ مستعمل ہیں۔ ان الفاظ میں بڑا لطیف سا فرق پایا جاتا ہے۔ عرف اور معروف سے مراد ہر وہ بات ہے جسے معاشرہ کے اچھے لوگ اچھا خیال کرتے ہوں۔ معاشرے کا اچھا دستور، بھلے مانس لوگوں کے طریقے، ملکی دستور جو پسندیدہ سمجھا جاتا ہو۔ جیسے بڑوں کے سامنے باادب بیٹھنا اور انہیں جی کہہ کر پکارنا وغیرہ۔

حسنتہ:۔ کا لفظ ہر اس خوش کن اور پسندیدہ کام کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عقل اور شریعت کے مطابق ہو۔

مولانا عبد الرحمٰن گیلانی:۔ کے نزدیک "خیر کسی نیکی کا اپنے کمال کو پہنچنا۔ ایسے کام جن سے عوام الناس کو فائدہ پہنچے، بڑی نیکیاں، نیکی کے بڑے بڑے کام، نیز خیر بمعنی وہ کام جو سب کو مرغوب ہو۔ مثلاً مسافروں کے لیے رستہ میں پانی کا انتظام کر دینا"۔[3]

شر کا مفہوم:

شر عربی زبان کا لفظ ہے۔ شر کا لفظ برا، برائی اور تکلیف سب معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ وہ تمام اعمال جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور خلق خدا کی دل آزاری کا موجب بنیں شر کے ضمن میں آتے ہیں۔ شر کی جمع شرور ہے برے آدمی کو شریر کہتے ہیں اور اس کی جمع شرار ہے۔

وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ؕ۔[٤]

ترجمہ:۔ اور اہل دوزخ کہیں گے کہ کیا سبب ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہیں ہم بروں میں شمار کرتے تھے۔

مولانا عبد الرحمٰن اپنی تالیف "مترادفات القرآن" میں لفظ شر کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "شر ہر وہ چیز جس سے ہر کوئی کراہت کرے یا اس سے نقصان پہنچے اور اس کی ضد خیر ہے یعنی سب کے لیے مرغوب اور پسندیدہ۔ اور شرارہ آگ کی چنگاری کو کہتے ہیں جس کی جمع شر ہے اور شرارت ہر وہ درپردہ فعل ہے جس سے کسی کو نقصان پہنچایا جا سکے"۔[٥]

شر کے مترادف الفاظ "بس اور ساء" ہیں۔ بس کلمہ ذم ہے جب کہ ساء کا لفظ ظاہری اور معنوی بدحوائی کے لئے آتا ہے۔

۴۔ مولانا مفتی محمد شفیع "معارف القرآن" میں علامہ ابن قیم کے حوالے سے شر کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ، "لفظ شر دو چیزوں کے لئے عام ہے ایک آلام و آفات جن سے براہ راست انسان کو رنج و تکلیف پہنچی ہے دوسری وہ چیزیں جو آلام و آفات کے موجبات اور اسباب ہیں۔ اس دوسری قسم میں کفر و شرک اور تمام معاصی بھی لفظ شر کے مفہوم میں داخل ہیں"۔[٦]

عقل کے نزدیک خیر و شر کی تعریف:

خیر و شر کے پرکھنے میں امام غزالی شرع کے ساتھ عقل کی کسوٹی کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ شرع خود عقل کو حاکم و قاضی قرار دیتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں جابجا مذکور ہے "کیا تم عقل نہیں رکھتے" اس کا مطلب یہ نہیں کہ شرع تنہا کسی امر میں کوئی فیصلہ دینا نہیں چاہتی بلکہ شرع تلوار کے ذریعے کوئی فیصلہ منوانا نہیں چاہتی۔ وہ انسان کو اپنی عقل کو کام میں لانے کا حکم بھی دیتی ہے"۔[٧]

انسان کو انسانی مقام پر لانے میں اس کی عقل کی قوت کا نمایاں ہاتھ ہے لیکن عقل انسان بھی ایک ایسی قوت ہے جس کو جس مقصد کے لئے استعمال کیا جائے وہ خیر یا شر بن جاتی ہے[٨].

ارسطو کا جواب یہ ہے۔

"مسلسل مشق اور اعادہ سے بہتر اخلاقی زندگی پیدا کی جا سکتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اس کوشش میں ہمیشہ مصروف رہے کہ جذبات و خواہشات پر عقل کی حکمرانی قائم کی جائے۔ مسلسل مشق سے سرکش جذبات کو عقل کے تابع فرمان کیا جا سکتا ہے اس طرح حیوانی تقاضوں کو عقلی تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے کی عادت بن جاتی ہے"۔[٩]

انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے اندر ایک مادہ رکھا گیا جو انسان کو خیر کے لیے ابھارتا ہے اور شر سے روکتا ہے اس مادہ کو انسان کی قوت امتیاز بھی کہہ سکتے ہیں۔ جو انسان کے اندر نفس اور ضمیر کی صورت میں موجود ہے اور اسی کی روشنی میں انسان کے اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں خواہ وہ اعمال، اعمال خیر ہوں یا اعمال شر ہوں یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ ہماری عقل بھی معقولیت ہی کی قائل ہے یعنی عقل کو بھی وہی چیز پسند آتی ہے جس کے اندر نہ صرف دنیاوی بلکہ اخروی فوائد بھی موجود ہیں اور عقل ان تمام چیزوں کو شر تصور کرتی ہے جن میں انسان کا گھاٹے کا سودا ہو۔ اس لیے ہم

کہہ سکتے ہیں کہ شرع کے ساتھ ساتھ انسانی عقل بھی خیر کو پسند اور شر کو ناپسند کرتی ہے۔ جب ایک انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ تمام قسم کی لغزشوں اور گناہوں کی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے.

مسئلہ شر کی ابتدا

انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلمانوں کا سب سے بڑا اور پرانا حریف شیطان ہے۔ مگر ہماری زندگیوں میں اس کے عمل دخل کے متعلق اتنا تحریر نہیں کیا گیا حالانکہ مدمقابل کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں پہلے یہ جاننا چاہیے کہ ہم کس سے نبرد آزما ہیں۔ آگ کو عربی زبان میں شرارہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی آگ سے پیدا کیا اور شیطان نے ہمیشہ انسان کو شر کی طرف مائل کیا ہے۔ اسی لیے اگر شر کی نسبت شرارہ شر کی طرف یا شرارہ کی نسبت شر کی طرف ہو تو یہ غلط نہ ہو گا۔

بوسانی کی نگاہ میں اقبال کے شیطان کے پانچ اہم پہلو ہیں۔

۱۔ پہلا یہ کہ شیطان حسن تدبیر اور عمل پیہم کے معاملے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ وہ خداوند تعالیٰ کی ضد ہے یعنی خیر کا سرچشمہ خدا اور شر کا منبع شیطان ہے۔

شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انکار کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اس طرح شر کی ابتدا سب سے پہلے شیطان نے کی سجدہ سے انکار کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کو بھلا پھسلا کر وہ کھانے پر آمادہ کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا تھا۔ اور اس طرح شر کی ابتداء کا سہرا شیطان نے اپنے سر پر پہنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيۡطَٰنُ عَنۡهَا فَأَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِۖ۔[۱۰]

فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيۡطَٰنُ عَنۡهَا۔ زلتہ کے معنی عربی لغت میں لغزش کے ہیں ازلال کے معنی کسی کو لغزش دینا، معنی یہ ہیں کہ شیطان نے آدم علیہ السلام و حوا علیہ السلام کو لغزش دیدی، قرآن پاک کے یہ الفاظ صاف اس کا اظہار کر رہے ہیں کہ حضرت آدم و حوا کی یہ خلاف ورزی اس طرح کی نہ تھی جو عام گنہگاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔ بلکہ شیطانی تلبیس سے کسی دھوکہ و فریب میں مبتلا ہو کر ایسے اقدام کی نوبت آگئی کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا اس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے۔[۱۱]

فَأَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِۖ":۔ یعنی شیطان نے اس کو گمراہی اور لغزش کے ذریعہ آدم و حوا کو جنت سے نکال دیا جن میں وہ سکون سے گزر بسر کر رہے تھے۔ یہ نکالنا اگرچہ بحکم اللہ پاک کے ہوا، مگر سبب اس کا شیطان تھا۔ اس لیے نکالنے کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی۔[۱۲]

اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہے مگر اس کی طرف کوئی برائی منسوب نہیں کی جاسکتی برا فقط اس شے کو کہا جائے گا کہ جس کے ساتھ قائم ہے۔[۱۳]

آسمان پر تو شر کی ابتدا سب سے پہلے ابلیس نے کی مگر زمین پر شر کی ابتدا قابیل نے اپنے بھائی کو قتل کر کے کی۔ تاہم ابلیس اس سے قبل شر کی ابتدا کر چکا تھا۔ قیامت تک انسانوں سے جو بھی شر کے کام سرزد ہونگے ان کی نسبت شیطان کی طرف ہو گی اور انسانوں سے جتنے بھی گناہ سرزد ہونگے ان میں شیطان بھی برابر کا حصہ دار ہو گا۔ مزید برآں یہ کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی کہ مجھے قیامت تک یہ مہلت دے دو کہ میں تیرے بندوں کو "بہکاؤ اور گمراہ کر سکوں" اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ میں تجھے مہلت دیتا ہوں۔فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ"۔[۱۴]

ترجمہ: جو میری ہدایت کی پیروی کریگا ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ کوئی غم۔

خیر وشر کے علم کے ذرائع:

بنیادی طور پر خیر وشر کے بارے میں ہمیں جن ذرائع سے علم ہوتا ہے وہ تین ہیں۔

۱۔ شریعت

۲۔ معاشرہ

۳۔ عقل انسانی

۱۔ شریعت:

خیر و شر۔

جس کام کا کرنا ضروری ہو یا جس کا کرنا زیبا و لائق ستائش ہو وہ خیر اور جس کام سے مجتنب رہنا ضروری ہو یا جس کا ارتکاب نازیبا اور ناشائستہ ہو وہ شر ہے۔ امام غزالی عمل کے حسن و قبح کا سارا معاملہ شرع کے حوالے کرتے ہیں۔ امام غزالی نے اس مسئلے کو واضح کرنے کے لئے خیر و شر کے درجے اور مرتبے مقرر کئے ہیں۔[۱۵]

۱۔ واجب:۔ ایسا کام جن کا کرنا لازمی اور ضروری ہو اسے واجب کہتے ہیں۔

۲۔ مستحسن:۔ جس کام کا کرنا مستحب ہوا اسے مستحسن کہتے ہیں۔

حرام:۔ جس کام کے کرنے سے شریعت نے منع کیا اور اس سے اجتناب ضروری ہو وہ حرام ہے۔

مکروہ:۔ جس کام کا کرنا نازیبا و ناشائستہ ہو اسے مکروہ اور ان کے علاقہ باقی اعمال کو مباح کہتے ہیں۔

بعض اوقات امام غزالی افعال کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں۔ حرام، واجب، مباح:۔

حرام:۔ وہ ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے چھوڑ دو اس کے قریب بھی کبھی نہ بھٹکو۔

واجب:۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اسے کرو اور کبھی نہ چھوڑو۔

مباح:۔ وہ کہ اسے کرو تو تمہاری مرضی نہ کرو تو تمہاری مرضی۔[۱۶]

اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ انسان کی آگہی کے لئے ایک کتاب نازل کی جس کے ذریعے انسان کو آگاہ کیا کہ اس کیلئے کیا خیر ہے اور کیا شر ہے۔ اور انسان کو اس بات سے بھی آگاہ کیا کہ اگر اچھے اعمال کرو گے تو ان کے بدلہ جنت ورنہ برے اعمال کا بدلہ جہنم ہے۔

قرآن نے خود اپنے متعلق بیان کیا کہ: وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ[۱۷] "اور کہا تقویٰ شعار لوگوں نے کیا اتارا تمہارے رب نے بولے خیر۔"

انسان کو قرآن و حدیث کے ذریعے خیر و شر سے آگاہ کرنے کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ اگر خیر کو اپناؤ گے تو جنت تمہارا ٹھکانہ ہو گا اور اگر شر کو اپنایا تو جہنم تمہارا ٹھکانہ ہو گا۔

خیر و شر کے علم سے آگاہی کے جو ذرائع ہیں ان میں سب سے زیادہ مستند ترین ذریعہ شریعت ہے۔ کیونکہ یہ ذریعہ کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا نہ حال، ماضی و مستقبل میں مگر دوسرے ذرائع دھوکہ بھی کھا سکتے ہیں۔ یہ ذریعہ اس لئے مستند ہے کیونکہ اس سے آگاہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات کرتی ہے

۲۔ معاشرہ:۔

معاشرہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں ایک فرد دوسرے افراد کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے ہر معاشرے کی اقدار و روایات ہوتی ہیں جو کہ اس کو دوسرے معاشروں سے نمایاں مقام دلاتی ہیں۔ ہر معاشرے نے خیر و شر کے معیارات مقرر کیے ہوئے ہیں جن کی پابندی کرنا تمام افراد معاشرہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح معاشرہ بھی خیر و شر کا ایک ذریعہ ہے۔

افلاطون کے خیال میں "معاشرہ کسی حد تک خیر و شر کے جاننے کا ایک جائز ذریعہ تو ہے مگر یہ اخلاقیات کی بنیاد نہیں بن سکتا ہے۔ مشیت ایزدی نے جہاں اخلاق کو فرد و معاشرہ کی زندگی میں عملاً سمونے کی یہ تدبیر کی کہ ایک ایسے جامع پیمانے اور ہمہ گیر اخلاقی اصول کا تعین فرما دیا، جو عمل و کردار کی تمام جزعیات کو ایک وحدت میں منسلک کر سکے۔ وہاں اس کی ربوبیت نے یہ اہتمام بھی کیا کہ تمام اخلاقی قدروں کو ایک ذات گرامی میں اس طریق سے اجاگر کر دیا جائے کہ اس کی تابش وضو سے ہر دور میں سیرت و کردار کے ذروں کو ہم دوش آفتاب بنایا جاسکے"۔[۱۸] جس طرح حضرت محمد ﷺ کا اخلاق حسنہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک مثال ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا[۱۹] ترجمہ: بلاشبہ تمہاری اطاعت و پیروی کے لئے رسول اللہ ﷺ میں اسوہ حسنہ پایا جاتا ہے لیکن اس سے استفادہ کی توفیق اسی کو ملے گی جو اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے۔

اسلام نے جہاں معاشرہ کی اصلاح و ترقی کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کیا ہے وہاں فرد کی نازک سے نازک ضروریات اور نفسیات کا بھی اس نے پوری طرح لحاظ رکھا ہے۔ اسلامی معاشرہ نے ہمیشہ ان چیزوں کو یا ان اقدار و روایات کو اپنایا ہے جن روایات کے اندر تمام افراد معاشرہ کے لئے فوائد پوشیدہ ہوں اسلامی معاشرہ کبھی بھی تنہا فرد کی بھلائی کو دیکھتے ہوئے کسی چیز کو خیر کے معیار میں نہیں گردانتا بلکہ ایسی چیز جو کہ ایک فرد کے لئے اچھی اور باقی افراد کے لئے تکلیف و اذیت کا سبب بنے اسلامی معاشرہ اسے شر کے نام سے گردانتا ہے۔

۳۔ عقل انسانی:۔

عقل کی تعریف:

"عقلیت وسیع ترین معنوں میں وہ فلسفیانہ نقطہ نظر ہے جس میں ادراک جس سے اعلیٰ اس سے آزاد اور ماقبل عقل کو علم کا ذریعہ سمجھا جائے یہ علم کائناتی وسعت کا حامل ہے۔ اخلاق کا مسئلہ ہو یا سیاسی اصول یا شریعت کے فیصلے ہوں بذریعہ عقل ان تک پہنچا جا سکتا ہے۔ عقل اس بارے میں جو حکم لگائے اسے قطعی اور آخری سمجھا جائے"۔[۲۰]

اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش "احسن تقویم" پر کی اور پھر اس کے اندر ایک ایسی صفت رکھی جو کہ انسان کو دیگر مخلوقات سے اشرف بناتی ہے یہ صفت عقل کہلاتی ہے۔ اسی کی بنا پر انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ ملا۔ کیونکہ عقل کے ذریعے انسان خیر و شر میں تمیز کرتا ہے۔ عقل اس قوت کا نام ہے جس سے ہم اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں کہ جس بات کو ہم صحیح ماننا چاہتے ہیں وہ درحقیقت صحیح ہے۔ عقل کی یہی کوتاہ دامنی ہے جس کی بناء پر انسان خیر کی بجائے شر کی آرزو کرتا رہتا ہے۔

قرآن سے اس بات کی تائید ملتی ہے۔" وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا "۔[۲۱] ترجمہ: اور جس طرح انسان اپنی خیر کی دعائیں مانگتا ہے۔ اس طرح (بسا اوقات) شر بھی مانگنے لگتا ہے (اگرچہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے لئے برائی ہے) اور حقیقت میں انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔

جذبات خواہشات یا آرزوؤں کو اگر بے لگام چھوڑ دیا جائے تو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں فساد ہی فساد برپا ہو جائے گا۔ بے شک عقل ہمیں

خیر وشر کے بارے میں آگاہ کرتی ہے مگر بعض اوقات عقل بھی جذبات کے بہکاوے میں آکر ہمیں غلط سمت کی طرف موڑ دیتی ہے جو کہ ہمارے لیے شر کا موجب بنتا ہے۔ تاہم عقل ہر وقت انسانی شرع کی پیروی کرے اور پھر کوئی معیار مقرر کرے تو وہ معیار درست تصور ہوگا۔ قرآن پاک نے ان خواہشات کو جو وحی کی عائد کردہ پابندیوں کے تابع نہ ہوں شر کا موجب قرار دیا ہے ہر آرزو کو عقل کے تابع ہونا چاہیے اور عقل کو وحی کی روشنی میں چلنا ہوگا۔ اس سے انسان کی انفرادی زندگی خیر حاصل کر سکتی ہے۔

لہٰذا خیر کے لیے علم کے ذرائع میں عقل کی شمولیت قرآن ہی کی ترجمانی ہے۔

نظریہ خیر وشر کا قرآنی تصور:

خیر وشر کا سلسلہ اس وقت سے موضوع بحث چلا آرہا ہے جس وقت سے انسانی ذہن نے سوچنا شروع کیا ہے۔ لیکن اس کا اطمینان بخش حل ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔

قرآن کریم فلسفیانہ بحث میں نہیں الجھتا۔ وہ کہتا ہے کہ اشیاء کائنات ہوں یا انسان کی اپنی صلاحیتیں ان میں کوئی شے بھی فی ذاتہ نہ خیر ہوتی ہے نہ شر۔ ان کا استعمال انہیں خیر بنا دیتا ہے یا شر۔ اگر وہ نوع انسان کی بہبود کے لیے استعمال ہوتی ہیں تو وہ خیر ہیں۔ اگر ان اشیاء موجودات کو ہم میں سے کوئی بھی فرد خیر کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس فرد کی ذات میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہی قوت جو کہ ایک فرد خیر کے حصول کے لیے استعمال کر رہا ہے اسے اگر انسانیت کی تخریب کے لیے استعمال کرے تو وہ شر بن جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر قوت بے عمل ہو کر ضائع ہو جاتی ہے تو اسے بھی شر کہا جائے گا۔ خدا خیر کا سرچشمہ ہے اور انسانوں کے لیے اس کی تعلیم یہ ہے کہ تم خدا کی پیدا کردہ قوتوں اور صلاحیتوں کو اس طرح استعمال نہ کرو کہ اس کا نتیجہ شر ہو۔ انسان کی ارتقائی حالت کی نشوونما کا مفہوم قرآن کے تصور "رب" کی شکل میں بھی سامنے آتا ہے۔

رب کا قرآنی تصور:

رب کے لغوی معنٰی نشوونما دینا ہے۔ یعنی کسی چیز کو نئی نئی تبدیلیوں سے گزارنا کہ وہ بتدریج نشوونما پاتی ہوئی اپنی اپنی تکمیل تک پہنچ جائے۔[۲۲]

قرآن کریم میں خدا کے لیے رب کا لفظ آتا ہے جو اللہ کے بعد جو اس کا ذاتی اسم ہے سب سے زیادہ اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس لیے کہ خدا کی صفت ربوبیت، بنیادی ہے۔ ارض وسماء میں موجود خواہ ظاہر میں ہو یا باطن میں ہر شے کا بتدریج ارتقاء خدا کی صفت "رب" سے قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ ۔[۲۳] ترجمہ: "سب ستائش اللہ کے لیے ہے جو پروردگار ہے سارے جہاں کا"

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَاؕ[۲۴]۔ ترجمہ: "کہا پروردگار مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے۔"

ڈاکٹر رفیع الدین کا کہنا ہے کہ: "خداوند تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک انسان یا ایک درخت کو فوراً مکمل حالت میں نیست وہست کر سکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی ربوبیت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ وہ ہر چیز کو خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان یکایک مکمل صورت نہیں دیتا بلکہ بتدریج مکمل کرتا ہے۔ اس لیے وہ رب کہلاتا ہے۔ خدا کی کوئی ایسی صفت نہیں جو ارتقا کے مقاصد سے الگ ظہور پائے"۔

اللہ تعالیٰ خیر کے پہلو سے متمتع اور شر کے پہلو سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

ہر شے کی ایک شرعی کیفیت ہوتی ہے اور ایک خیر کی حالت۔ خیر کی حالت وہ ہے جب اس میں توازن واعتدال ہو اور شر کی حالت وہ ہے جس میں توازن بگڑ جائے جس طرح ایک گلاس پانی باعث حیات ہے اور یہ خیر کی کیفیت ہے۔ لیکن وہی پانی جب اعتدال سے بڑھ جائے اور انسان اس میں ڈوب کر مر جائے تو موجب ہلاکت ہو جاتا ہے۔ یہ پانی کی شرعی کیفیت ہے۔ لہٰذا پانی اپنی ذات میں نہ خیر ہے نہ شر۔ اس میں دونوں پہلو ہیں۔ یہی حالت کائنات میں موجود ہر شے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے ذریعہ انسان کو سکھاتا ہے کہ اشیائے کائنات کو فائدہ کے لیے استعمال کرو اور شر کے پہلو سے اجتناب برتو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِۙ(١)مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَۙ(٢) [٢٥] ترجمہ: "کہو میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی۔ ہر چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کیا ہے"

سورہ الفلق کی اس آیت میں کائنات کے شری پہلو سے پناہ مانگی جا رہی ہے جو انسان کی مختلف قوتوں کے صحیح تناسب نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب بھی انسان کی مختلف قوتوں میں صحیح تناسب ہوگا اس کا نتیجہ خیر کی شکل میں سامنے آئے گا۔ جب کسی معاشرہ میں یہ تناسب قائم ہو جاتا ہے تو ایسی خیر کی حالت کو قرآن "اصلاح" کی حالت سے منسوب کرتا ہے اور جب یہ تناسب بگڑ جاتا ہے تو ایسی شر کی حالت کو قرآن "فساد" کا نام دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ؕ ۔ [٢٦] ترجمہ: "اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور کام نیک اس کو اٹھا لیتا ہے"

اس آیت میں عروج وارتقاء کے لیے دو چیزوں کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ ایک کلمہ طیبہ یعنی ایسا تصور حیات یا نظریہ زندگی جس میں بڑھنے، پھلنے، پھولنے اور خوشگوار نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت ہو اور دوسرے وہ صلاحیت بخش اعمال جو اس نظریہ کو اوپر اٹھائیں یعنی مزید نشوونما کا باعث بنیں۔

قرآن بطور خیر:۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے ذریعے انسانوں کو ہدایت و رہنمائی دی اور اس طرح قرآن پاک انسانوں کے لیے باعث خیر ورحمت ثابت ہوا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَیْرًا ؕ ۔ [٢٧] ترجمہ: اور کہا تقویٰ شعار لوگوں نے کیا اتارا تمہارے رب نے بولے خیر"

اور دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے فرمادیا کہ: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۔[٢٨]

ترجمہ: "یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں قرآن عربی میں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں"

بنیادی طور پر قرآن وحی کے لیے خیر کی جامع اصطلاح متعارف کراتا ہے اور اس سے زندگی کی تمام خوشگواریاں اور اختیارات واقتدارات کی وسعتیں حاصل ہوتی ہیں۔ نہ صرف اس دنیا میں ہر قسم کی خوشگواریاں بلکہ مستقبل میں بھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ [٢٩]

ترجمہ: "اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں (دنیا اور آخرت میں) خیر کی صورت میں"۔

لہٰذا ہر وہ عمل جس کا نتیجہ حال اور مستقبل کی خوشگواریاں ہوں خیر ہے اور جس کا نتیجہ اس کے برعکس ہو وہ شر ہے۔

خوشگواریاں انسان کی ذات کی نشو و نما کے لیے بہت بڑا کردار ادا کرتی ہیں، بلکہ یوں کہیے کہ خوشگوار کہتے ہی اُسے ہیں جس سے انسانی ذات کی نشو و نما ہو۔ جس سے اس کی نشو و نمارک جائے وہ شر ہے۔ لہٰذا انسانی ذات کی نشو و نما میں اقدار قرآنی پر عمل کر کے اور ان کے برعکس اقدار سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے طریق کو قرآن نے تقویٰ کی اصطلاح سے روشناس کرایا ہے۔ قرآن پاک میں خیر کی مختلف آیات ہیں:

"وَ اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ اِذَا کِلۡتُمۡ وَ زِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا"۔ [۳۰]

ترجمہ: "اوزان اور پیمانے ٹھیک رکھو۔ یہ بہترین پہنچ اور خیر ہے"۔

"وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ [۳۱] ترجمہ: "جو کچھ مال و دولت خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی فائدے کے لیے ہے۔"

"وَ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ [۳۲] ترجمہ: "اور جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر حاصل ہوا" حکمت خیر کثیر ہے۔

"وَ اللّٰہُ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی ۔ [۳۳] ترجمہ: "خدا خیر اور ابقی ہے"

حکمت بطور خیر کا قرآنی تصور:

قرآن پاک نے نہ صرف ذات کی نشو نما کے حصول کے لیے اقدار عطا کی ہیں بلکہ معیار خیر میں ان کی حکمت کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے۔

یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۔ [۳۴]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ جس کو چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر ملا اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں"

اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ حکمت خیر کثیر ہے لیکن اس سے فائدہ عقل والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ عقل والوں سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ورنہ صلاحیت تو ہر انسان میں موجود ہوتی ہے۔ ارسطو کی زبان میں یہاں عقل سے مراد عقل فعال ہے نہ کہ عقل بالقوہ۔ قرآن پاک چاہتا ہے کہ ہم جو کام کریں عقل و فکر کی رو سے سوچ سمجھ کر کریں۔ دانائی اور ہوش مندی کے اس ملکہ کو حکمت کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ ملکہ ہر انسان کے اندر ہوتی ہے۔ اسی اعتبار سے انسان کو عاقل حیوان کہا جاتا ہے۔ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ [۳۵] ترجمہ: "دعوت دے (لوگوں کو) رب کی راہ پر حکمت کے ساتھ اور حسن کارانہ انداز سے"

قرآن پاک یہاں خیر کے حصول کو ابلاغ میں ایک مستقل قدر کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ جس طرح کائنات میں خوشگواریوں کے ساتھ خوشگواریاں ہیں تو اسی طرح خیر کے ساتھ شر بھی موجود ہے۔ اس لیے یہاں خیر اور شر اور حق و باطل کا قانون کار فرما ہے۔ اور اس کشمکش سے کائنات اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ خدا کے قانون کشمکش کے تحت خیر کی قوتیں شر کی قوتوں سے ٹکراتی ہیں تو شر کی قوتیں رائیگاں ہو جاتی ہیں اور نوع انسان کے لیے جو نفع بخش ہوتا ہے وہ باقی رہ جاتا ہے۔

وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ"۔ [۳۶] ترجمہ: "دنیا میں بقا اس عمل کے لیے ہے جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہو۔"۔

اس اصول کے مطابق قرآن پاک ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں ہر فرد دوسرے افراد کی نشو و نما کے لیے مصروف وسعی و عمل رہتا ہے اور دوسروں کے مفاد کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ انسان اس لیے کرتا ہے کیونکہ اسے اس بات پر یقین ہے کہ دنیا میں اگر دوسروں کے ساتھ خیر و بھلائی کے کام کروں گا تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے خیر سے نوازے گا۔ قرآن پاک انسانی ذات کی نشو و نما اس انداز میں کرتا ہے کہ جس قدر کوئی فرد دوسروں کی نشو نما یا بھلائی کرتا ہے اس قدر بھلائی اس کی اپنی ذات کی ہوتی چلی جاتی ہے۔

مثلاً قرآن پاک میں انسان کو بطور فرد رحمت خداوندی کا مالک بنا کر اسے جمع کر لینے کی ہدایت نہیں کی بلکہ اسے امین کا درجہ دیتے ہوئے اسے اپنا ہاتھ کھلا رکھنے کی ہدایت کی ہے اس کا مقصد نوع انسان کی بہبود ہے نہ کہ انسان کے جبلی تقاضوں پر مبنی خواہشات کی اتباع۔ قرآن پاک میں دین کی تصدیق اس انداز میں کی ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ (۲۳)وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ (۲۴)لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ‪ۙ‬(۲۵)وَ الَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ [37] ترجمہ: وہ لوگ جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور یہ لوگ جانتے ہیں کہ ان کے مال و دولت میں ان لوگوں کا حق ہے۔ جن کی ضروریات ان کی محنت کے ماحصل سے پوری نہیں ہوتیں یا وہ بالکل معذور ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو یوم الدین کی تصدیق کرتے ہیں۔

ان آیات میں "حق معلوم" کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں یعنی سائل و محروم نہ تو ان سے خیرات مانگتے ہیں اور نہ یہ انہیں بطور خیرات کچھ دیتے ہیں یہ دونوں جانتے ہیں کہ ان کے مال میں ہر ضرورت مند کا حق ہے وہ اسے بطور استحقاق طلب کر سکتے ہیں۔ یہ انفرادی زکوٰت اور خیرات کا نظام نہیں بلکہ یہ فریضہ تمام انسانیت پر ہے اور ادب کا مقصد انسانوں کی بھلائی و خیر خواہی ہے۔

کسالی کا لغوی ترجمہ ہے کسی ایسے کام میں واماندگی اور گرانباری کا اظہار کرنا جس میں گرانباری اور تھکان کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔[38]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ منافقین نماز کی طرف آتے ہیں تو اسے بوجھ سمجھ کر گردن اتارنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے کہ اس بوجھ کی وجہ سے وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ یہ نقشہ جسے ہم یہ کہہ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے منافقین کی حالت کا بیان ہے درحقیقت ہماری اپنی حالت بھی ان سے کچھ مختلف نہیں کیونکہ جب ہم نماز کی طرف آتے ہیں تو منافقین کی گرانباری کی کیفیت لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کی رو سے ہمیں انفاق کی بدولت نہ صرف دنیاوی خوشگواریاں حاصل ہوتی ہیں بلکہ آخرت میں بھی حسنات حاصل ہوتی ہیں۔ دین اسلام ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ ہم صرف اپنی ذات کے تحفظ تک اپنے آپ کو محدود نہ رکھیں بلکہ انسانیت کی فلاح و بہبود کی خاطر اللہ کی نعمتوں اور اپنی طاقت کو استعمال کریں۔

محرک ینفع الناس میں قرآن سے عقلی دلائل

قرآن پاک ہمیں گزشتہ اقوام کے حالات سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ وہ لوگ یا اقوام جنہوں نے اپنے خزانوں کو اللہ کی راہ میں یعنی انسانوں کی فلاح پر خرچ کرنے کی بجائے انہیں جمع کر کے رکھا ان کا کیا انجام ہوا۔ یہ قرآن پاک کا عقلی انداز ہے جس کے ذریعے انسانوں کو بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

قرآن پاک میں ہے: جب قارون سے کہا گیا کہ وہ اس تمام (فاضلہ) دولت کو جو اس نے یوں جمع کر رکھی ہے دوسروں کا حق کیوں نہیں سمجھتا تو اس نے جواب دیا

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ۔[39] ترجمہ: یہ دولت مجھے میری ہنرمندی کی بدولت ملی ہے۔

یعنی میں نے اسے اپنے علم اور ذاتی استعداد سے کمایا ہے۔ اس لیے میں اس پر کسی دوسرے کے حق کا تسلیم ہی نہی کرتا۔

دوسرے مقام پر اسی جواب میں قرآن نے کہا ہے کہ: "اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"[40]

ترجمہ: ان لوگوں کی یہی ذہنیت ہے جو اصل مصیبت کا باعث ہے لیکن ان میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں جانتے قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ یہ، ہنرمندی کا اختلاف صرف تقسیم کار کے لیے ہے۔ تقسیم رزق کے لیے نہیں۔

اللہ نے تم میں بعض کو دوسرے پر اکتساب رزق کی استعداد میں فضیلت دی ہے جنہیں یہ استعداد زیادہ ملی ہے وہ زیادہ رزق کو ان لوگوں کی طرف نہیں لوٹاتے جو ان کے ماتحت کام کرتے ہیں تاکہ یہ سب رزق میں برابر ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں کہ انہیں استعداد کی زیادتی خدا کی طرف سے نعمت ملی ہے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ: جو کچھ انہیں بطور نعمت ملا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

اگر عقل کی روشنی میں بھی دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسان کی کمائی حسب ذیل مجموعی کارفرمائی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

۱۔ دماغی صلاحیت جو ہر شخص کو پیدائشی طور پر ملتی ہے۔

۲۔ ابتدائی ماحول، تعلیم وتربیت کے اثرات

۳۔ صلاحیت اور استعمال کے مواقع اور

۴۔ انسان کی ذاتی محنت کے مواقع

اس کے باوجود انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے اسے اپنی ملکیت بطور حق سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اسے انسان کی تحویل میں دے دیا ہے تاکہ اس کو ہدایت کے مطابق استعمال میں لائے۔[41] اللہ تعالیٰ تمام نوع انسان کے لیے رب العالمین کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس کا قانون ہے کہ ہدایت اور رزق کی تقسیم تمام انسانیت میں ضرورت کے لحاظ سے کی جائے، نہ کہ کمائی کو ملکیت قرار دینے کی حیثیت سے ایسی ذہنیت کو قرآن پاک نے بخل کی اصطلاح سے متعارف کروایا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ [42] ترجمہ: "حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت آپ ہی سے بخل کر رہا ہے"

سو وہ افراد جو کہ دوسروں کو سامان رزق سے محروم رکھتے ہیں حقیقت میں اپنے آپ کو محروم رکھے ہوئے ہیں یہ محرومیت دراصل آخرت کے دن خیر سے محرومی ہے۔

اگر اس دنیا میں لوگوں کے ساتھ بھلائی نہ کی تو آخرت کے روز اللہ ہمیں بھی خیر سے دور رکھے گا کیونکہ

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ ۔ [43]

ترجمہ: "وہی (اللہ) پیدا کرتا ہے اول بار پھر دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے۔ اور انصاف کے ساتھ نیک کام کیے"

قرآن پاک نے اسی مکافات عمل کے لیے موت وحیات کو بطور امتحان سامنے لایا ہے۔ جہاں انسان کی دنیاوی زندگی کو خیر کے ساتھ مشروط کیا یعنی دنیا میں خیر کے بدلہ انسان کو قیامت میں خیر ہی ملے گا۔

علماء دین کی نظر میں خیر وشر:

مسئلہ خیر وشر ابلیس کے ساتھ مربوط ہے۔ راندہ درگاہ ہونے سے پہلے عزازیل خدا کا ایک مقرب فرشتہ تھا اور علم ومعرفت میں یہ مقام رکھتا تھا کہ اس کو طاؤس الملائکہ کہا جاتا تھا۔ اس نے سجدے سے انکار کر کے خیر وشر کی نہ ختم ہونے والی جنگ چھیڑ دی۔ بقول مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی

"ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں کیونکہ کسی فرض کا عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق وگناہ ہے، کفر نہیں۔

ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ کرنا ہے کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں یہ معارضہ بلاشبہ کفر ہے"۔[۴۴] مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی لکھتے ہیں کہ: کشف والہام میں بھی شیطانی تلبیسات ہو سکتی ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

یہ درست ہے کہ شیطان کی چالیں بڑی خطرناک ہیں اور ہم تنہا اس گرگ باراں دیدہ کی فریب کاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن جو لوگ اللہ کی پناہ میں آجاتے ہیں شیطان ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

بقول مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی:

مذکورہ وجوہ سے کسی کو یہ خیال نہ ہونا چاہیے کہ شیطان کی طاقت بڑی ہے۔ اس کا مقابلہ مشکل ہے اسی خیال کو رفع کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کید الشیطن کان ضعیفا اور سورہ النحل میں جہاں قرآن پڑھنے کے وقت کا استعاذہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے ایمان والوں اور اللہ پر بھروسہ رکھنے والوں پر یعنی اللہ کی پناہ لینے والوں پر شیطان کا کوئی تسلط نہیں ہوتا۔[۴۵]

پیر محمد کرم شاہ صاحب: ہمیں شیطان کے دام فریب سے خبر دار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" شیطان کی پیروی مت کرو۔ اس کے نقش قدم پر مت چلو، کیونکہ وہ اپنے ماننے والوں کو نیکی اور ہدایت کی دعوت نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا شیوہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو بے حیائی اور بدکاری کی تلقین کرتا ہے اور برے کاموں کو اس حسین انداز میں پیش کرتا ہے کہ ان کے برے نتائج نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں"۔[۴۶]

معوذتین ہر قسم کی دنیاوی اور دینی آفات سے حفاظت کا قلعہ ہیں۔ بقول مولانا اشرف علی تھانوی۔

"حدیث میں ہے کہ اللہ کا نام لینے سے وہ ہٹ جاتا ہے اور یہ امر شیطان جن میں تو ظاہر ہے اور شیطان الانس میں سب تقریر کبیر اس طرح سے ہے کہ موسوس اپنے ناصح مشفق کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کو زیر کر دیا جائے تو وسوسے سے باز آجاتا ہے اور ہٹ جاتا ہے اور اگر قبول کر لی جائے تو اور مبالغہ کرتا ہے"۔[۴۷]

خلاصہ

خیر وشر کا فلسفہ ہمیشہ حل طلب رہا ہے کہ موجودہ دور میں شر کو اس طرح سجا کر انسان کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ بظاہر وہ خیر وشر کے درمیان فرق واضح نہیں کر سکتا۔ ہم نے اپنے اس تحقیق میں خیر وشر کو واضح کر کے ان دونوں نظریات کو شریعت اور عقل کی کسوٹی پر پرکھا تاکہ ہر شخص بالخصوص نوجوان نسل ان سے اچھی طرح واقفیت اور آشنائی حاصل کر سکے اور ہمارے معاشرے پر بہترین اثرات مرتب ہوں۔

اس تحقیق سے انسان کو خیر وشر سے آگاہی حاصل ہو گی اور خیر وشر میں تمیز کرنا بھی آسان ہو جائیگی۔

اسلام ایک کامل واکمل دین ہے اور حیات انسانی کے ہر پہلو کے حوالے سے مکمل معلومات فراہم کرتا ہے اسی طرح نظریہ خیر وشر کے حوالے سے بھی اسلام پر حاصل بحث کرتا ہے اور اسلام کا نظریہ خیر وشر یہی ہے کہ یہ دونوں قوتیں اللہ عزوجل ہی کی پیدا کردہ ہیں کہ بیشک خالق ومالک اللہ

عزوجل ہی ہے اور اسکے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے۔ لیکن ان دونوں قوتوں کو پیدا کرنے کے بعد انسان کو مکلّف بھی بنایا ہے۔ اور اسکو اختیار دیا ہے کہ وہ ان دونوں میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔ لیکن اللہ عزوجل انسان کو خیر کے ساتھ پسند کرتا ہے اور شر کے ساتھ ناپسند کرتا ہے۔

جب تک مسلمان، مسلمان ہیں ان کے لیے یہ ممکن نہیں کہ کل کا شر آج خیر ہو جائے اور پرسوں کا شر ہو جائے۔ جس طرح کے دوسرے ادیان کے افراد نے اپنی خواہشات اور آسانی کی خاطر اپنے دین کے احکام کو جب دل چاہا تبدیل کر لیا۔ دین اسلام میں کوئی قیاس، اجماع واجتہاد کسی قسم کی تبدیلی کا مجاز نہیں۔ علم خیر ہے اور شر کی بنیاد جہالت ہے۔

حوالہ جات

[1] اصفہانی امام راغب، المفردات القرآن، اردو ترجمہ محمد عبدہ، اہل احادیث اکادمی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص۳۲۶
Asfhani,imam raghib,al.mufridat ul Quran,urdu translation Muhammad abd,page:326, ahle hadith academy,Lahore,1971

[2] الزبیدی، محمد مرتضیٰ الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، کویت، ۱۹۶۷ء، ص ۲۵۳
Al.zubedi,Muhammad murtaza al.husaaini, page: 253,min jawar al Qamos,Kuwait,1967.

[3] گیلانی عبدالرحمٰن، مترادفات القرآن، اردو ترجمہ محمد عبدہ، اہل احادیث اکادمی لاہور ، ۱۹۷۱ء، ص ۸۷۰
Gillani Abdur rehman, mutradfat ul quran,urdu translation Muhammad Abd,page:870, ahle hadith academy,Lahore,1971,

[4] ص۔۳۸:۶۲
Saad, 38:62

[5] گیلانی عبدالرحمٰن، مترادفات القرآن، اردو ترجمہ محمد عبدہ، اہل احادیث اکادمی لاہور ، ۱۹۷۱ء، ص ۲۰۶
Gillani,Molana Abdur rehman, mutradfat ul quran,urdu translation Muhammad Abd,page:۲۰۶, ahle hadith academy,Lahore,1971

[6] عثمانی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ہشتم، ادارہ المعارف کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، ص۲۰۶
Usmani,mufti Muhammad shafi,maarf ul Quran,volume 08,page:206,Idara al.maarif, Karachi,2010

[7] محمد زکی عبدالسلام، غزالی کا تصور اخلاق، (اردو ترجمہ نورالحسن)، ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، لاہور ص ۱۵۲
Dr.muhammad zakki abdul salam,Ghazali ka tassawur akhlaq, Urdu translation,Noor ul Hassan,page:152, Nashran Quran limited,Lahore

[8] وحید عشرت، خیر وشر مجموعہ ومقالات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، سن اشاعت ۲۰۰۷ء، ص ۱۷۲
Dr.waheed ishrat,kher o shar majmoa maqalat, Page:172,sang e meel publications,Lahore, 2007

[9] انعام الحق، نظریہ خیر، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، ص۳۴۱
Dr.inamul haq,Nazriya kher,p:341,sir sayed research academy,Lahore, 2010

[10] البقرہ ۲:۳۶
Al.Baqarah 2:36

[11] عثمانی، محمد شفیع، معارف القرآن، جلد ہشتم، ادارہ المعارف کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۲
Usmani,mufti Muhammad shafi,maarf ul Quran,volume 08,p:192,Idara al.maarif, Karachi,2010

[12] ایضا، ص ۱۹۳

Ibid,P:193

[13] کاندھلوی محمدادریس ، علم الکلام ، زمزم پبلشرز ،کراچی،سن اشاعت ۲۰۰۵ء ,ص٦٢

Kandhelvi,Muhammad Idress,ilmul kalam,p:62,zamzam publishers,karachi, 2005

[14] البقرہ۲:۳۸

Al.Baqrah, 2:38

[15] محمد ذکی عبد السلام، غزالی کا تصور اخلاق (اردو ترجمہ) نور الحسن خان، ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار، لاہور، ص ۱۴۴

Muhammad zakki abdul salam, ghazali ka tassawur akhlaq,urdu translator,Noorul Hassan khan, p:144, Nashran Quran limited,Lahore

[16] محمد اسحاق علی سید، سائنس اور اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۹۲

Muhammad ishaq ali sayed, science or islam,p:92,idarae Islamiat, Lahore,1990

[17] النحل ١٦:٣٠

Al.Nahl,30:16

[18] ندوی، محمد حنیف، اساسیات اسلام، اشاعت اول، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۳، ص ۲۷۶

Nadvi, Muhammad hanif,assasiyat islam,edition:1st,p:276,idara saqafat e islamia,Lahore, 1973

[19] الاحزاب ۳۳:۲۱

Al.Ahzab,33:21

[20] انعام الحق، نظریہ خیر، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰، ص ۱۳۱

Dr.inamul haq,Nazriya kher,p:131,sir sayed research academy,Lahore, 2010

[21] بنی اسرائیل ۱۷:۱۱

Bani Israel, 17:11

[22] محمد رفیع الدین، قرآن اور علم جدید، ایجوکیشن کانفرنس، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۱۹۳

Dr.muhammad rafi ud din,Quran or ilm e jaded,p:193,education conference,Lahore, 1979

[23] الفاتحہ ۱:۱

Al.fateha,1:1

[24] الشعرا ۲۶:۲۴

Al.Shuarae, 26:24

[25] الفلق ۱۱۳:۱

Al.falaq,113:1

[26] الفاطر ۳۵:۱۰

Al.fatir,35:10

[27] النحل ۱۶:۳۵

Al.nahal,16:35

[28] حم السجدہ ۴۱:۲

Ha.mim sajdah,41:2

[29] البقرہ ۲:۱۳۰

Al.Baqarah,2:130

[30] بنی اسرائیل ۱۷:۳۵

Bani Israel,17:35

[31] البقرہ ۲:۲۷۲

Al.Baqarah,2:272

[32] البقرہ ۲:۲۶۹

Al.Baqarag,2:269

[33] طہ ۲۰:۷۳

Taha,20:73

[34] البقرہ ۲:۲۶۹

Al.Baqarah,2:269

[35] النحل ۱۶:۱۲۵

Al.Nahal,16:125

[36] الرعد ۱۳:۱۷

Ar.Raad,13:17

[37] المعارج ۷۰:۲۶،۲۵

Al.Maerij,70:25,26

[38] انعام الحق، نظریہ خیر، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۳۳۱

Inamul haq,Nazriya kher,p:331,sir sayed research academy,Lahore, 2010

[39] القصص ۲۸:۷۸

Al.Qasas,28:78

[40] الزمر ۳۹:۴۹

Al.Zumr,39:49

[41] عثمانی، محمد شفیع، معارف القرآن، جلد اول، ادارہ المعارف کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۰،

Usmani, Muhammad shafi,maarf ul Quran,volume 01,page:190,Idara al.maarif, Karachi,2010

[42] محمد ۴۷:۳۸

Muhammad,47:38

[43] یونس ۱۰:۴

Younis,10:4

[44] عثمانی، محمد شفیع، معارف القرآن، جلد چہارم، ادارہ المعارف کراچی، سن اشاعت ۲۰۱۰ء، ص ۲۵۸

Usmani Muhammad shafi,maarf ul Quran,volume 04,page:258,Idara al.maarif, Karachi,2010

[45] ایضا، ج ہشتم، ص ۸۵۵

Ibid,V,8,P:855

[46] محمد کرم شاہ صاحب، ضیاء القرآن، جلد پنجم، ضیاء پبلیکیشنز، لاہور، ص ۳۰۳

Muhammad karam shah sb,Zia ul Quran,V.۵,P:303,Zia al Quran publications,karachi

[47] اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، جلد اول، احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۱۶۲

Ashraf Ali Thanvi,Bayan ul Quran,V.1,P:162,Ahmadia anjuman ishaet e islam,Lahore, 1973.